© rasailojaraid.com

اپنے خداوند خالق و حکمران کے سامنے عفو طلب غلام کی طرح کھڑا ہو کر التجا کریں کہ حکم! "اے آقا و مولیٰ، ہم حاضر ہیں"

سیاسی نکتے، روپے اور وسائل کی باتیں، ذرائع ابلاغ کے قصے، ناسازگار حالات کا ماتم، انتخابی مد و جزر کے تجزیے، اپنی جگہ سب ٹھیک۔ مگر حقیقی خرابی علمِ وسیع، ایمانِ محکم، اخلاقِ درخشاں اور روحِ اخوت سے مالا مال تنظیم کے ساتھ دعوت الی اللہ اور انفاق و سعی فی سبیل اللہ میں خوف ناک کوتاہی ہے جو پاکستان کے خادمانِ اسلام سے مجموعی طور پر سرزد ہوئی ہے۔ جانے کتنے ہی معزز افراد ان الفاظ سے مستثنیٰ ہوں گے، مگر قضیہ اجتماعی ہے۔ اس میں کتنی ہی جماعتیں اور کتنے ہی لاکھوں افراد حصہ دار ہیں۔ اور میں سب سے پہلے اپنے آپ کو پیش کرتا ہوں کہ شاید سب سے زیادہ فرومایہ میں ہی تھا۔ مجھ ایسے بے شمار افراد کی ایمانی اور تعبدی اور دعوتی اور تنظیمی کوتاہی کا وبال سارے معاشرے میں پھیل گیا ہے، یہاں تک کہ جو نیک نہاد بزرگ اور حق اندیش نوجوان انفرادی طور پر احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے اونچے مقام پر ہیں، ان کی پاکیزہ خدمات بھی ہم کوتاہ کاروں کے سیلابِ گناہ کے نیچے دب گئی ہیں۔ (ان کا اجر آخرت میں محفوظ ہے اور یہاں بھی اپنے اثرات دکھائے گا)۔

یہ باتیں نہ میں مصنوعی انکسار کا لطف لینے کے لیے کر رہا ہوں، نہ مجھے خود ملامتی کا روگ ہے اور نہ میں دوسروں کی زندگیوں میں مین میخ نکالنے کا ٹھیکہ دار ہوں۔ میں تو قرآن و حدیث سے اتنا جانتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کسی بھی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بگاڑتا جب تک کہ خود اس کے اہلِ ایمان، اہلِ علم اور اہلِ قیادت و اقتدار اور ان کے زیر اثر اور ان کے پیروکار عوام بگاڑ کا سبب نہ بن جائیں: "از ماست کہ بر ماست"۔

میں اپنی ذات میں اس لیے بے حد شرمسار ہوں کہ کل جب قیامت کی عدالت لگے گی اور مجھ سے پوچھا جائے گا کہ چالیس اکتالیس برس تم اسلام کے علم بردار بن کر اور اپنے آپ کو ایک برتر انقلابی شعورِ دین سے آراستہ جان کر مسلم معاشرے کی تجدید و تعمیر کرنے کے کام میں لگے رہے، اور تمھیں اپنے اکابر و عمائد کی رہنمائی اور اپنے لاکھوں ساتھیوں کی حمایت بھی حاصل تھی، اور تم نے اپنے کام میں اس عرصے میں بہت سے روپے اور وسائل کو بھی استعمال کیا ہوگا، آخر اس کا حسابی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ماحصل کیا ہے ؟ اور کیوں ایسا ہوا کہ دین کے علو کے آثار تو کجا ، لادینیت کا طوفان دیکھتے دیکھتے اتنا چڑھا کہ پانی گلے اور ٹھوڑی تک آپہنچا - اقامتِ دین کا محاذ آہستہ آہستہ پیچھے سِرکتا رہا اور تم نے نہ اس تباہی کو محسوس کیا ، نہ اس کے خلاف آواز بلند کی ، نہ کسی کے توجہ دلانے یا اعتراض اٹھانے پر کبھی ٹھنڈے دل سے غور کیا ! — اب بتاؤ کہ تمہارا جواب کیا ہے اور تمہارے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہیے ؟

قیامت کے اس خوفناک لمحے کی آمد سے پہلے ہی میں اعترافِ قصور کر کے طلب عفو کرتا ہوں - "أَنَا أَوَّلُ التَّائِبِينَ" - اس کے ساتھ ادائے فرض کی تجدید عہد کرتا ہوں جس کا تقاضا کتاب و سنّت کے تحت بنا ہوا تحریکی لائحۂ عمل کرتا ہے ، اور اتنے کام کا عزم کرتا ہوں ، جتنا جس میدان میں میں اپنی صحت و قوت کے ساتھ مزاحمت و تعاون کی فورسز کے درمیان دمِ آخر تک کر سکتا ہوں - اے خدا تو گواہ رہ کہ میری ہزار کوتاہیاں ہوں گی ، مگر میں اس گروہ کے ساتھ حشر کو اٹھوں گا جس کی شان ہے : مَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا ! (لیکن اس کا انحصار تیری ہی مدد اور پشت پناہی پر ہے !)

اپنی کوتاہیوں کا ازالہ کرنا ایک تو اس لیے ضروری ہے کہ ہم دعوت الی اللہ اور تعمیرِ اخلاق کی جو مرکزی مہم لے کے چل رہے ہیں اس کے راستے میں حائل ہونے والے یخ کے جزیروں اور آگ کے دریاؤں کا قلع قمع ہو سکے — دوسری ضرورت کی وضاحت کے لیے مجھے یہ کہنا ہے کہ افغانستان کے افق سے جونہی اجتماعی اسلامیت کا آفتاب طلوع ہوتا ہے (اور خدا کرے کہ عین آخری لمحے خلل اندازی کرنے والے اشرار ناکام ہوں) ، تو اس کی جگمگاہٹ نہ صرف پاکستان کو بلکہ ترکی اور پورے عالمِ اسلام کو شدید متاثر کرے گی - طاغوتی طاقتوں نے سیاسی ، فکری ، مالی ، ثقافتی اور سفارتی سحر طرازیوں سے تاریکیوں کے جو غیر مرئی تخت ہمارے سروں پر بچھا رکھے ہیں ، ان کے پرخچے اڑنے لگیں گے - حتیٰ کہ ایک نئی لہر ترکوں کے قدیم علاقوں تک سے اٹھ کھڑی ہو گی - وقت اگرچہ قریب آ لگا ہے مگر فرزندانِ ظلمت کی تند و تیز چلت پھرت دیکھ کر سینے میں دھک دھک ہونے لگتی ہے جو آہستہ آہستہ "نعوذ باللہ من شر ذرّیۃ الشیطٰن" کی صدا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یں بدل جاتی ہے، اور کان میں کوئی نادیدہ قوت کہتی ہے" إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا "۔ پھر آواز آتی ہے : " اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ "۔ یہ آنے والا لمحہ اگر غیریت سے اپنی لمعانیوں کے ساتھ نمودار ہو گیا تو پھر اُس شخص اور گروہ پر بھاری ذمہ داریاں اپنے ملک اور عالمِ اسلام اور پورے جہانِ انسانیت کے لیے آ پڑیں گی جو دین کی سربلندی چاہتا ہو۔ ان ذمہ داریوں کو اعتقادی و تعبدی، ذکری و فکری، تحقیقی و تخلیقی، اخلاقی و روحانی، تنظیمی و انفاقی اور دعوتی و خدمتی پہلوؤں سے اگر خلوص سے، جامع طور پر اور تیز رفتاری سے پورا کرنے کا اہتمام نہ کیا گیا تو ملتِ اسلامیہ مشیتِ الٰہی کے عطا کردہ ایک قیمتی لمحے کی برکات سے محروم رہ سکتی ہے۔ ایسی کوتاہی کے نتیجے میں ہم ایک بار پھر " صد سالہ راہم دُور شد " کے لق و دق صحراؤں میں بگولوں کی طرح چکر کھاتے رہ جائیں گے۔

لیکن میرا خیال ہے کہ فی الحال ہم زیادہ توجہ اس پہلو پر صرف کریں کہ ایسے اہم اور نازک مرحلۂ تاریخ میں ہمیں تجدید و احیا کے ایک روشن موقع سے محروم کرنے کے لیے لادینیت اور منکرات و فواحش کی جو یلغار کُشتوں کے پُشتے لگانے کے اندازے سے بڑھ رہی ہے اس کا منہ پھیر دینے کے لیے اپنے کام اور مقام کو بحال کیا جائے۔ یہ جو کچھ ہوا ہے دینی قوتوں کی غفلت کم شعوری اور کوتاہ عملی یا کم از کم غلط ترجیحات سامنے رکھ کر کج مج طریق سے کام کرنے کی وجہ سے ہوا ہے۔

اوّلین تقاضائے تلافی یہ ہے کہ ہر فرد، جماعت اپنی اپنی جگہ اعتراف کرے کہ مجموعی کوتاہی میں اس کا کچھ نہ کچھ حصّہ ہے۔ اس اعتراف کے بعد ہی اصلاح اور خیر و فلاح کی راہیں کھل سکتی ہیں۔ آج ذمہ دارانِ ملت کو یہ محسوس کرنا چاہیے کہ دینی اصطلاحات اور نوامیسِ الٰہی کے لحاظ سے جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں اور جو بڑے بڑے تخریب و تصادم کے واقعات ہو چکے ہیں، ان کی نوعیت عذاب کی ہے۔ اس سے نجات کی راہ توبہ و اصلاح کے سوا کچھ نہیں۔

دین کا اصل اساسی کام اقامتِ دین یا اعلائے کلمۃ اللہ ہے اور اس کا اہم ترین تقاضا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دعوت الی الحق ہے، جو اوّل روز سے تا دمِ آخر جاری رہتا ہے اور ہر قسم کے حالات میں، خواہ دورِ صبر و بے بسی ہو، خواہ زمانۂ ہجرت و جنگ ہو، خواہ مرحلۂ حکمرانی ہو، کسی بھی حالت میں یہ ذمہ داری کسی مسلم فرد یا مسلم جماعت سے منفک نہیں ہو سکتی۔ اور ہزار طرح کے کام ہیں، فرائض دینی کے بعد مصروفیتِ تسبیح و نوافل بھی مبارک اور ضروری، دوسری طرف بندوں کی خدمت بھی لازم، تعلیم و معیشت کے دائروں میں بھی کاوشیں اہم، اور سیاسی و تہذیبی میدان میں بھی تگ و تازلابدی، — لیکن ان سارے فرائض و مشاغل کے لیے ریڑھ کی ہڈی دعوت الی اللہ یا دعوتِ الی الحق یا دعوت الی الخیر ہے۔ ورنہ اور سب کچھ ہو سکتا ہے، تحریک نہیں چل سکتی اور غلبۂ نظامِ حق ممکن نہیں!

بنیادی فرائض کے درمیان سے اگر دعوتِ حق کی اہمیت کو کسی بھی فرد و جماعت نے گم کر دیا اس کے لیے عملی سرگرمیوں میں ڈھیل پیدا کر دی تو اس کے بقیہ دوسرے کام خواہ کتنے ہی اہم ہوں اور کتنی ہی کامیابیاں وہ حاصل کر لے اور کتنے ہی فوائد محدود آتے محسوس ہوں، دعوتِ حق (امر بالمعروف، نہی عن المنکر) کے خسارے کی تلافی نہیں ہو سکتی رکھنے کا مدعا یہ ہے کہ کسی معاشرے کی اصلاح اور کسی ملک میں مضبوط دینی ماحول کا پیدا ہونا کارِ دعوت کے بغیر ممکن نہیں جب تک اقامتِ دین کے علمبردار بستی بستی کے گلی کوچوں میں پھر پھر کر فرد فرد تک خدا کا پیغام بہترین اسلوب اور بہترین الفاظ اور بہترین اخلاق کے ذریعے نہیں پہنچاتے اور قدیم جہالت یا جدید تعلیم کے مریضوں کی چارہ گری ایک ڈاکٹر یا طبیب کی سی محبت و توجہ سے نہیں کرتے، نیز ٹوٹے پھوٹے ابنائے آدم کے اندر سے نیا زندہ و توانا اور صاحبِ ایمان و کردار انسان پیدا کرنے کی محنتوں سے نہیں گزرتے، اُن کے اسلامی نصب العین کے لیے پُرزور رفتار سے نہ تو سپاہی پیدا ہو سکتے، اور نہ ماحول تیار ہو سکتا ہے۔ اس کام کا بدل نہ سیاسی ہنگامے ہو سکتے ہیں اور نہ جلسے جلوس اور نہ کتابیں اور پمفلٹ (یہ چیزیں اپنی جگہ ضروری بھی ہیں اور افادیت بھی رکھتی ہیں)۔ انسانوں کے قلوب اور ضمیروں سے اُٹھنے والا بھرپور، زوردار اور پائیدار انقلاب زیادہ تر بالمشافہ کام ہی سے ہوتا ہے۔ یہاں آج سے پہلے (بلکہ تشکیلِ پاکستان سے بھی پہلے) بے شمار اداروں نے تبلیغی رسائل بھی چھاپے، کتنی ہی جماعتوں نے جذبۂ اسلامی کے ساتھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انتخابات میں معرکہ آرائیاں کیں، کتنے ہی مخلص لیڈروں اور علماء نے سچے اسلامی موضوعات پر زمانۂ حال سے کئی گنا بڑے جلسے کیے۔ ان کے بھاری استقبال ہوتے، ان کے اشاروں پر جلوس نکلے، مظاہرے ہوئے، لوگوں نے نہایت دلیری سے اپنے آپ کو مشین گنوں کا شکار بنایا۔ لیکن آج دیکھیے کہ وہ سارے بادل چھٹ گئے۔ اور آج ہم اسی زمین پر لادینیت کے حملے کی زد میں آئے ہوئے ہیں۔ خود ہم جو پچھلے سارے تجربوں کو سامنے رکھ کر ایک نئے تحریکی و انقلابی نقشۂ کار کے ساتھ تلافیٔ مافات اور تازہ تر فتوحات کے خواب لے کر اٹھے تھے، کہیں تو اصولوں میں تزلزل پیدا کرنے والی مصلحتوں اور مفاد کا شکار ہو گئے، کہیں عین ان قدروں اور روایات کو خطرے سے دوچار کر دیا جن پر ہمارے تحریکی تشخص اور ہماری اخلاقی پہچان کا دارومدار تھا اور کہیں ترجیحات کو تبدیل کر کے (اجتماعِ ارکان ماچھی گوٹھ ۵۷ء) کے طے کردہ چار نکاتی لائحہ عمل کے توازن سے نگاہیں ہٹ گئیں۔ نتیجہ یہ کہ بنیادی دعوتی کام، جس کے نتیجے میں خدا کے ایک غلام یا ایک مزدور یا ایک سپاہی کی طرح جاں ماری کر کے ہمارے ہر فرد کو سال بھر میں کم سے کم ۵ نئے آدمی تیار کر کے دینے چاہئیں تھے۔ اس مخصوص انقلابی مہم میں اس درجہ خلل واقع ہوا کہ سالانہ ایک آدمی کی دعوت سے فقط ایک نئے آدمی کے ظہور کا معیار بھی باقی نہ رہا۔ اگر اتنا بھی ہوتا تو گزشتہ ۱۱ سالہ دور میں جماعت عددی طور پر ہر سال دگنی ہو جاتی۔ اگر یہ جماعت ۱۱ مرتبہ دگنی ہوئی ہوتی تو آج ملک میں اسلامیت کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر موجود ہوتا۔

پھر بھی میں قدرت کی اس حوصلہ افزا نوازش کا بصد تشکر اعتراف کر کے بہت پُر امید ہوں چند ہزار ارکان کے گرد متفقین، ہمدردوں اور حامیوں کی جو تعداد لاکھوں کے حساب سے موجود ہے وہ سال بہ سال بڑھتی ہے۔ تعداد بڑھتی ہے، لٹریچر بڑھتا ہے، مالیات بڑھتے ہیں۔ دائرہ ہائے کار بڑھتے ہیں ـــ یہاں تک کہ ہمارے ووٹروں کا دائرہ بھی وسیع تر ہوتا جاتا ہے۔ اور اس توسیع و ترقی کے کام میں ہماری صفِ قیادت سے لے کر کمزور سے کمزور کارکن کا اپنا اپنا حصہ ہے۔ خدا سب کو جزا دے۔

مگر اول تو یہ بڑھوتری مطلوبہ رفتار سے نہیں، کیونکہ انقلابی عمل کے بار آور ہونے کے لیے جلد سے جلد معاشرے میں تحریک اسلامی کے نقیبوں اور حامیوں کا تناسب بالغ آبادی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں سے سیاسی و سماجی طور پر فعال عناصر کے درمیان ۱ : ۳ کا ہو جانا چاہیے۔ اس لحاظ سے ہماری عددی قوت (ارکان، متفقین، حامیان، متاثرین) کم سے کم ایک کروڑ ہونی چاہیے۔ سخت افسوس ناک امر ہے کہ ساڑھے سینتالیس سال کے عرصے میں ہم اس ٹارگٹ کو حاصل نہ کر سکے۔ حالانکہ جب تک ہوٹلوں، بسوں، دفتروں، مجلسوں میں ہماری تحریک اور انقلابی حیثیت زیر بحث نہ آنے لگے اور گفتگوؤں میں غلبہ نظامِ اسلامی کے علمبرداروں کو حاصل نہ ہونے لگے تو کسی تحریک کے لیے راستہ نہیں کھلتا۔ انقلابی کام کے لوازم ہی یہ ہیں کہ ایک تو تیز رفتار توسیع اور دوسرے عام کارکنوں میں بھی اتنا شعوری استحکام ہو کہ وہ اپنی بنیادی دعوت، تصورِ نظامِ اسلامی، نظریہ انقلابِ اسلامی اور ماحول کے مسائل پر استدلال سے بات کر سکیں۔ جب کبھی ایمان و استدلال جمع ہو کر کام کرتے ہیں تو ذہنی دنیا میں اجالے پھیل جاتے ہیں۔ اور تاریکیاں اجالوں کا مقابلہ کرنے کے بجائے اندھی آنکھوں سے پرپھڑپھڑاتی ہوئی اِدھر اُدھر ٹکراتی رہ جاتی ہیں —

اسلامی انقلاب کے داعی کی سطح کو عام سیاسی نعرہ بازیوں اور فرقہ وارانہ کج بحثیوں کے لایعنی پن سے بہت بلند ہونا چاہیے۔ چڑیوں اور کبوتروں اور طوطوں کی دنیا میں عقابی شان دکھانی چاہیے۔

دوسرا تشویشناک مسئلہ یہ ہے کہ جس درجے کا اخلاقی استحکام تحریکِ اسلامی چاہتی ہے، اس کا جو کم سے کم معیار ارکان کے لیے دستوری طور پر طے شدہ ہے[1] اور یہی معیار دوسروں کے لیے نمونہ کا کام دیتا ہے، وہ آہستہ آہستہ نیچے آرہا ہے۔ مالی اور معاشی معاملات میں بگاڑ کی کئی مثالیں ہیں

---

[1] میرا خیال یہ ہے کہ دستور کی شرائطِ رکنیت کو اگر تنہائی میں ہم لوگ غور سے پڑھیں تو شاید ہم میں سے بعض کو ان کا ضمیر یہ بتائے گا کہ تم معیارِ مقررہ سے گر چکے ہو اور اب تمہارا بہ حیثیت رکن رہنا دستور کی خلاف ورزی ہے۔ یا کم از کم بہت سے لوگ یہ محسوس کریں گے کہ وہ اوپر کی طرف اُٹھنے کے بجائے نیچے کو لڑھکے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پردے، تصویر، موسیقی اور لباس کے معاملات میں "نو بازمانہ بساز" کی خفیف سی رَو، ارکان کے باہمی جذبۂ اخوت میں دھیماپن، سمع و طاعت اور تنقید و احتساب میں کمی بیشی، غیبت و نجوٰی کی کمزوریاں، عہدوں کی غیر محسوس سی طلب، دیا کم سے کم ان کی ذمہ داری کے بھاری پن کے احساس میں کمی، بیت المال اور جماعتی وسائل کا کھلا استعمال، رشتہ داروں، دوستوں اور مجموعی معاشرے سے مشفقانہ اور خادمانہ تعلق کی کمی، رہ و رسمِ فقر و درویشی کو چھوڑ کر معیارِ زندگی کی دوڑ میں تھوڑی یا بہت شرکت اور آمدنیاں بڑھانے کے لیے کئی کئی اطراف میں ہاتھ مارنا — جماعتی ذمہ داریوں کے ساتھ بھی اور ان کے بغیر بھی — اولادوں کی تربیت کسی دوسری نہج پر، تقاریب میں اسراف کے علاوہ ہندوانہ اور فرنگی روایات کی آمیزش۔

یہ سب گراوٹ اس وجہ سے ہو رہی ہے کہ دعوتِ حق کا کام — ابتدائی تلقین سے لے کر تعلیمِ قرآن و سنت، پابندیٔ عبادات، مسنون طریقِ تنظیم و تزکیہ تک — کسی دوسری آمیزش کے بغیر کیا جانا چاہیے تھا اور اس بے آمیز دعوت کے لیے ضروری تھا کہ لوگوں میں خدا کا سچا خوف اور اس سے عاجزانہ تعلق کی استواری اور اس سے امیدِ مغفرت رکھنے کے ساتھ ساتھ اس کے بھیجے ہوئے رسولِ مصطفیٰ کے لیے گہرا والہانہ جذبۂ محبت و وفاداری اور عدالتِ آخرت کے انعقاد اور اعمال کی جزا و سزا کا ایمان پوری طرح اُبھار دیا جاتا۔ انسانی قلب و رُوح کی یہ وہ اصل پٹڑیاں ہیں جن پر اسلامی انقلاب کی تحریکی گاڑی اپنی ساری بوگیوں کے ساتھ سفر کرتی ہے۔ یہ سارا بنیادی ڈھانچہ اگر ٹھیک ٹھاک ہو تو سیاسی یا پارلیمانی سرگرمیوں کو ساتھ ساتھ چلایا جاسکتا ہے۔

مشکل یہ ہے کہ دوسرے تمام طریقے جن سے بڑے بڑے ہجوم اور انبوہ اپنے گرد اکٹھے کیے جاسکتے ہیں وہ متذکرہ طرز کے انقلابی انسان فراہم نہیں کرسکتے، وہ بات بات پر مضطرب ہو کر نت نئے نئے اشکالات پیدا کرلیتے ہیں۔ اور بار بار جمود میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اور ان میں اتنا پائیدار کردار نہیں ہوتا کہ وہ دیر تک اور دُور تک کسی پھیکے، بے رونق اور بے ہنگامہ اور بظاہر ایک محدود مدت میں) بے نتیجہ کاروانِ انقلاب کی رو اروی کے ساتھ چل سکیں۔

اساسی دعوتِ دین یہ چاہتی ہے کہ آپ تعلیم کے میدان میں کام کریں، یا صحافت و ادب میں،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یا سیاست و پارلیمان ہیں، ہر جگہ میرا رنگ نمایاں، میرا پیغام برتر اور میری آواز غالب رہنی چاہیے۔ آپ جب کسی دائرے میں دعوت کو ایک طرف ڈال دیں گے یا بعد کے لیے مؤخر کر دیں گے، اور دوسری کسی بھی سرگرمی کو دینی پیغام اور پکار سے خالی کر لیں گے تو پھر آہستہ آہستہ لوگوں میں دُنیویت کی وہ بیماری پیدا ہونے لگے گی کہ ان کے ہاں وقتی مسائل اور ہنگامی ضروریات اور کسبی خاص دائرۂ حیات کے اعمال دین کے بندھن سے آہستہ آہستہ آزاد ہونے لگیں گے۔ اس لمبے عمل کی ابتدائی علامت یہی ہوتی ہے کہ کسی دینی تحریک کے لوگ فکر و مطالعہ، ایمان و عبادت، اخلاق و معاملات، اپنے اجتماعی احکام و ضوابط اور روایات و اقدار کے لحاظ سے اپنا وہ مقام چھوڑنے لگتے ہیں جس کے لیے کہا گیا ہے کہ فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ۔

ذرا سی مزید وضاحت، کہ دعوتِ حق کی مہم کا مقصود ایسے افراد تیار کرنا ہے جو اپنے سفلا کار آمد جذبے اور اپنے اندر کی روشنی سے کام لے کر مقصدِ حق کے لیے طاغوتی ماحول اور طاغوتی طاقتوں کی زیادتیوں کو برداشت بھی کریں، ہر موقع کے لحاظ سے اپنی ذمہ داریوں کو خود سمجھیں اور ان کو اپنے ہی ضمیر کے تقاضے سے پورا کریں۔ اگر ہماری توجہات دوسری اطراف میں بکھر جائیں تو اس بھاری کام کو نقصان پہنچے گا، جس پر تحریک کی ساری عمارت قائم ہے۔ ایسے مطلوب انسانوں کی تیاری اگر رُک گئی تو پھر باقی سارے کھیل ختم ہو جائیں گے۔ اللہ ایسی کوتاہی اور غفلت سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

بہر حال ابھی معاملات قابو میں ہیں، ان کو سنبھالا جا سکتا ہے اور دعوتِ حق کی مہم کو ان اُصولوں کی بنیاد پر زیادہ زور سے شروع کیا جا سکتا ہے کہ:

۱۔ دعوتِ حق انسانوں کو ان کے باطن سے مکمل طور پر بدلنے کا ذریعہ ہے۔

۲۔ ہمارے پاس جماعت کے مؤسسِ اعلیٰ اور اس کے اوّلین ۷۵ معمارانِ جماعت کی یہ وصیت (مطابق بہ کتاب وسنّت) موجود ہے کہ ہمیں کس طرح کی جماعت چاہیے اور اس کے لیے کس معیار کے ارکان (و دیگر متوسلین) کی ضرورت ہے۔ دوسرے لفظوں میں تحریکِ اسلامی جس خاص طرح کی جماعت اور جس خاص طرح کا انسان (کارکن) چاہتی ہے وہ شوشہ بہ شوشہ اور نقطہ بہ نقطہ طے شدہ ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴ --- بانیانِ جماعت نے یہ چاہا اور مولانا مودودیؒ نے اپنے لمبے دورِ امارت میں اور میاں طفیل محمد صاحب نے بحیثیت قیم معیارِ مقررہ سے گرنے والے ارکان کو فوراً نکال باہر کیا۔

اس کی ایک بڑی مثال آپ کو رودادِ جماعت اسلامی حصہ سوم میں ملے گی جب کہ ڈھلمل قسم کے ارکان کی ایک کھیپ کی کھیپ (تین سو سے کچھ ہی کم افراد) کو جماعت سے الگ کر دیا گیا۔ حالانکہ کچھ ہی عرصہ قبل چند نامی گرامی علماء اپنے ساتھ متعدد غیر مولوی افراد کو بھی نکال کے لے جا چکے تھے۔ دوسری مثال ماچھی گوٹھ کے ارکانِ اجتماع کے زمانے میں خاصی تعداد کا الگ ہونا ہے، ان کی خاطر پروگرام یا معیار کو نہیں بدلا گیا۔ اس کے علاوہ انفرادی کمزوریوں اور انتخابات یا کسی اور معرکے میں غلط روی کا شکار ہونے والے ارکان کی کچھ نہ کچھ تعداد ہر سال اس چھوٹی سی جماعت سے الگ کی جاتی رہی تاکہ معیار نہ تباہ ہو۔ اور اسی لیے جماعت کا اثر و نفوذ بھی زیادہ رفتار رکھتا تھا۔

قارئین کرام گفتگو کا بہت کم ہی حصہ جگہ پا سکا، مزید بحث شمارہ آئندہ میں ملاحظہ کیجیے۔

احتیاط

ترجمان القرآن میں ضرورتِ استدلال کے لیے آیات و احادیث شائع ہوتی رہتی ہیں۔ قارئین سے گذارش ہے کہ جن اوراق پر آیات و احادیث ہوں، ان کا خاص احترام ملحوظ رکھیں۔

(ادارہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حکمتِ سیّد مودودیؒ

مولانا مودودیؒ کا ایک یادگار بیان ۱۹۳۶ء

(بہ سلسلہ نظامِ تعلیم حیدر آباد دکن)

یہ بیان پروفیسر سیّد محمد سلیم صاحب کا فراہم کردہ ہے۔

۱۹۳۶ء میں ریاست حیدر آباد کے نظامِ تعلیم کی تنظیمِ جدید کی ایک ذیلی کمیٹی نے جو مسٹر اے۔ ایچ میکنزی وائس چانسلر عثمانیہ یونیورسٹی اور مسٹر فضل محمد خاں ڈائریکٹر پبلک انسٹرکشن ریاست حیدر آباد پر مشتمل تھی، انہوں نے اپنی رپورٹ پیش کی ہے۔ اس رپورٹ کے ضمیمہ (ج) میں ریاست کے اہلِ علم و دانش، صحافیوں، ماہرینِ تعلیم اور لیڈروں کے بیانات درج کیے گئے ہیں، جنہیں کمیٹی نے اپنے روبرو موجودہ نظام کی تنظیمِ جدید کے ضمن میں اظہارِ خیالات کے لیے مدعو کیا تھا۔ فہرست کے نمبر ۳۸ پر ابوالاعلیٰ مودودیؒ ایڈیٹر ترجمان القرآن کا تذکرہ ہے، جن کے خیالات کی رپورٹ میں اس طرح پیش کیا گیا ہے۔

مولانا مودودی تعلیم کی مجوزہ تنظیمِ جدید سے اتفاق کرتے ہیں اور یہ تجویز پسند کرتے ہیں کہ کنڈرگارٹن اور پرائمری تعلیم کے لیے پانچ سالہ نصابِ تعلیم مقرر ہونا چاہیے۔ ادنیٰ ثانوی درجات کے لیے چار سالہ نصابِ تعلیم مقرر ہونا چاہیے۔ آٹھویں درجے کے بعد امتحان عام لیا جانا چاہیے۔ اعلیٰ ثانوی درجات کے لیے تین سالہ نصابِ تعلیم مقرر ہونا چاہیے۔ اور گیارھویں درجے کے بعد امتحان عام لیا جانا

© rasailojaraid.com